خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کر کے داعی الی اللہ بنیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱؍ مارچ ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

قرآن کریم نے جہاں اللہ کی طرف بلانے کی ہدایت فرمائی ہے وہاں جو ترتیب قائم فرمائی اس میں ایک بہت ہی گہری حکمت پوشیدہ ہے اس حکمت سے مراد عددی طور پر ایک حکمت نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس میں حکمت کا ایک سمندر مخفی ہے۔ اس پر جتنا غور کرتے چلے جائیں انسانی حکمت کے لئے مزید روشنی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ سب سے پہلے اللہ کی طرف بلانے کا حکم دیا اور اس میں کسی مذہب کا نام نہیں لیا۔ پھر عمل صالح کی تلقین فرمائی تب بھی کسی مذہب کا نام بیچ میں نہیں آتا۔ آخر پر فرمایا کہ ان دو شرطوں کو پورا کرنے کے بعد یہ کہو کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

پس ان بہت سی حکمتوں میں سے جو اس ترتیب میں پوشیدہ ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ کا تصور ایک ایسا تصور ہے جس کی طرف بلانے کے نتیجہ میں جائز طور پر غصہ کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔

دنیا کو مذہبی لحاظ سے آپ دو ہی بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو خدا کے قائل ہیں اور دوسرے وہ جو خدا کے قائل نہیں۔ جو لوگ خدا کے قائل ہیں ان کو اگر یہ کہا جائے کہ ہم تمہیں خدا

کی طرف بلاتے ہیں تو اس میں غصہ کی کون سی بات ہے نفرت کا کوئی مقام ہی نہیں ہے اور وہ جو خدا کے قائل نہیں ہیں اگر خدا کی طرف بلائے بغیر ان کو کسی مذہب کی طرف بلایا جائے تو نہایت ہی لغو فعل ہوگا اور ساری بحثیں بے معنی اور بے حقیقت اس لئے جو دہریہ ہو اس سے تو لازماً بات ہی خدا کی ہستی سے شروع کرنی پڑتی ہے۔

پس دونوں پہلوؤں سے نہایت ہی پر حکمت کلام ہے۔ فرمایا اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ اپنے رب کی طرف بلاؤ۔ دوسری جگہ فرمایا اللہ کی طرف بلاؤ۔ مذہبی تقسیمیں بعد میں آئیں گی اور وہ جب آئیں گی تو پھر اس کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ روشنی ڈالے گا کہ کس طرح اس معاملہ میں گفتگو کرنی ہے۔ لیکن پہلے جہاں اللہ کی طرف بلانے کا حکم ہے وہاں اس پر مزید غور کرنا چاہئے کہ اس میں اور کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اللہ کی طرف بلانے کا اور کیا طریق ہے۔

مذاہب کے درمیان اللہ ایک قدر مشترک ہے اور وہ پہلا اور آخری مقصد ہے جس کی طرف ہر مذہب بلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بات مقصد سے شروع کرو۔ اگر تم مذاہب کے ناموں کی تقسیم میں پڑ جاؤ گے، فرقہ بازی میں مبتلا ہو جاؤ گے تو اتنی الجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں اور بحث اتنی طویل ہو سکتی ہے کہ ہو سکتا ہے ایک انسان بلکہ انسانوں کی ایک پوری نسل ہمیشہ اس جستجو میں منہمک رہے اور پھر بھی وہ کسی مقصد کو نہ پا سکے۔

دیکھئے دنیا میں مذاہب کی فہرست کتنی طویل ہے۔ وہ جو مر چکے ہیں ان کے بھی آثار باقیہ ابھی تک ملتے ہیں اور جو زندہ سمجھے جاتے یعنی جن کو دنیا کی اصطلاح میں زندہ کہا جاتا ہے وہ بھی ایک بہت بڑی تعداد میں دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ پھر ان کے اتنے فرقے ہیں کہ انکی فہرستیں پڑھتے پڑھتے بھی خاصا وقت لگ جاتا ہے۔ سینکڑوں فرقے تو صرف عیسائیت ہی کے ہیں اور پھر ان فرقوں کی آگے تقسیم کی جائے تو ایک ہی فرقے ہیں متفرق الخیال لوگ اس کثرت سے ملتے ہیں کہ ان کی گنتی ممکن نہیں اور پھر یہ مذاہب مختلف ممالک میں مختلف زبانیں بولنے والے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے علم کی کتابیں کچھ معروف ہیں اور کچھ غیر معروف بلکہ ایسی زبانوں میں جن کو دنیا کے اکثر انسان سمجھ ہی نہیں سکتے۔ پس اگر یہ کہہ کر بلانا شروع کیا جائے کہ ہمارے مذہب کی طرف آؤ ہمارا مذہب سچا ہے اور پھر جو علمی جستجو کے تحت انسان کو سچائی کی تلاش کرنے کی دعوت دی جائے تو یہ تحقیق کا

ایک لا متناہی سلسلہ ہے جو کسی کنارہ پر کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ بات ختم ہی نہیں ہوگی۔ آپ ایک زبان میں سب کچھ سمجھا دیں تب بھی ایسی بہت سی زبانیں پڑی ہیں جن کے اندر بہت سے مذاہب کے علوم پھیلے پڑے ہیں۔ یہ یقین پیدا ہو ہی نہیں سکتا کہ ان مذاہب میں جو باتیں تھیں وہ کیوں درست نہیں یا کیوں درست ہیں اس لئے پتہ کی بات کی گئی، سیدھی بات کی گئی، جو مقصد ہے اس کو بیان فرمایا گیا کہ سارے مسلک اور یہ گورکھ دھندے اور یہ رستوں کی تفصیلیں اور یہ تعلیمات کے جھگڑے کیوں ہیں؟ کس طرف بلانے کے لئے ہیں؟ صرف اللہ کی طرف بلانے کے لئے ہیں اس کے سوا انسان کو مذہب میں دلچسپی ہو ہی نہیں سکتی۔ انسان کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ وید کو مانے یا قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرے یا بائبل کی مشکل تعلیمات پر قدم مارے یا اور مذاہب کے پیچھے لگ کر اپنی زندگی کو مختلف قسم کی تعلیمات کی رو سے کرو یا نہ کرو گے جھگڑوں میں مقید کرے۔ پاگلوں والی بات لگتی ہے۔ اگر اس کا وہ مقصد نہیں جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے یعنی اللہ کی طرف بلانے کا کیونکہ خالق سے اس کی مخلوق کو ایک فطری تعلق ہے اور خالق کی طرف جانے کے لئے انسان کی فطرت میں ایک ایسی طبعی تمنا گوندھی گئی ہے جس کو قرآن کریم اس طرح بیان فرماتا ہے کہ ہم نے انسان سے پوچھا (اس کی تخلیق سے بھی پہلے) کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں قَالُوْا بَلٰى (الاعراف: ۱۷۳) روحوں نے کہا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔

پس مخلوق کو خالق سے ایک فطری تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور خالق کو بھی اپنی مخلوق سے ایک طبعی محبت ہوتی ہے بیچ میں اور کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا اس لئے فرمایا اپنے خالق کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ جو لوگ خدا کی ہستی کے قائل ہیں ان کو تو خدا چاہئے جہاں بھی ملے جس نام پر ملے، ہاں تمہیں یہ بتانا پڑے گا کہ خدا تمہارے پاس ہے اور وہ لوگ جو خدا کی ہستی کے قائل نہیں ہیں ان کے ساتھ مذہب کی بات چل نہیں سکتی جب تک ان کو پہلے یہ نہ بتاؤ کہ خدا موجود ہے اور اس کے ماننے کے لئے ان کے دل میں ایک تمنا، ایک خواہش، ایک ضرورت پیدا نہ کر دو۔

اس تعلیم کا جیسے کہ میں نے بیان کیا تھا ایک طبعی فائدہ یا ایک قدرتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے کسی نفرت کا بیج نہیں بویا جاتا اسی لئے فرمایا وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا اس سے زیادہ حسین قول اور کون سا ہو سکتا ہے کہ اللہ کی طرف بلا رہے ہو لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اسی اللہ کی طرف بلانے کے نتیجہ میں دنیا میں اتنے فساد ہوئے ہیں، اتنی لڑائیاں ہوئی ہیں، اتنے مظالم ہوئے ہیں، اتنے گھر جلائے گئے

ہیں، اتنے بچے یتیم کئے گئے ہیں، اتنی عورتوں کے سہاگ لٹ گئے اور دنیا میں اتنے دکھ پھیلے ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کوئی منطقی اور کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ اللہ کی طرف بلانے کے نتیجہ میں دنیا میں فساد پھیلیں اس لئے اس پر غور کرنا چاہئے کیونکہ آگے جا کر یہ آیات متنبہ بھی کرتی ہیں اور صبر کی تعلیم بھی دیتی ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ تم اپنے خدا کی طرف پوری دیانتداری اور خلوص سے بلاؤ گے پھر بھی تمہاری مخالفتیں ہوں گی۔ ایسا کیوں ہوگا اس پر کچھ غور کرنا چاہئے۔

اللہ ایک نعمت ہے۔ نعمت کی طرف بلانے کے نتیجہ میں لوگوں کو غصہ تو نہیں آیا کرتا۔ ہاں نعمت کو اگر انسان اپنی ذات میں سمیٹ کر بیٹھ جائے اور اس پر قبضہ کر لے اور یہ کہہ دے کہ یہ نعمت کسی اور کے لئے نہیں ہے صرف میرے اور میرے عزیزوں کے لئے ہے تو پھر لازماً فساد پیدا ہوتا ہے لیکن یہاں تو دعویٰ کا آغاز ہی یہ کہہ کر کیا گیا ہے کہ دنیا کو اس نعمت کی طرف بلاؤ اور کہو یہ صرف ہماری ہی نہیں یہ تمہاری بھی ہے۔ یہ تمہارے اور ہمارے درمیان قدر مشترک ہے ہم اکیلے اس کے حق دار نہیں ہیں تم بھی آؤ اور اس میں شریک ہو جاؤ۔ اس اعلان کے بعد پھر فساد کیوں؟

اب آپ دیکھیں کہ امریکہ میں سونے کی کانوں کی تلاش ہوتی تھی۔ بے شمار ٹولیوں کی ٹولیاں سونے کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی تھیں۔ جس کو سونا ملتا تھا وہ اس کو گھیر لیتا تھا اس کے اردگرد باڑیں بناتا تھا اس پر قبضہ کر لیتا تھا اس کے نتیجہ میں بڑے خون خرابے ہوئے۔ بڑے جھگڑے اور لڑائیاں ہوئیں لیکن اس لئے ہوئیں کہ نہ پانے والوں نے پانے والوں کو مارا۔ پانے والا کبھی نہ پانے والے کو نہیں مارتا تھا اور وجہ یہ تھی کہ پانے والے کو اس لئے مارا گیا کہ اس نے کسی اور کو شریک نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے تو بات ہی اس طرح شروع کی کہ اس میں فساد کی جڑھ ہی کاٹ دی۔ فرمایا اللہ تمہیں مل گیا ہے اس میں کوئی شک نہیں مگر ملتے ہی اس کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کر دو تا کہ حسد کی وجہ سے باہمی نفرت اور بغض کی جو ایک ہی وجہ پیدا ہو سکتی تھی وہ بھی زائل اور باطل ہو جائے۔ کہو کہ یہ تمہارا بھی رب ہے اور ہم داروغے نہیں ہیں، ہمیں اس پر ملکیت کے کوئی حقوق حاصل نہیں ہیں، وہ تمہارا بھی اسی طرح رب بن سکتا ہے جس طرح ہمارا بنا تھا۔ اب بتائیے ایسی صورت میں پھر نفرت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

تو ایک اور وجہ نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نہ پانے والوں کے پاس نہ صرف یہ کہ خدا نہیں

بلکہ وہ عملاً خدا کی ہستی کے قائل ہی نہیں رہے۔ ان کو جب کسی خدا کے تصور کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کچھ چیزوں سے محروم ہو جانے کے خیال سے ڈر جاتے ہیں۔ یعنی خدا کی نعمت پر راضی نہیں بلکہ خدا کے نام پر دنیا میں اپنی سرداریوں پر راضی ہیں۔ خدا کی سرداری پر راضی نہیں بلکہ خدا کے نام پر اپنی لیڈر شپ قائم کرنے کے نتیجہ میں وہ مطمئن ہیں۔ ان کے لئے خدا بحیثیت نعمت کوئی وجود نہیں رکھتا بلکہ وہ نعمتیں اپنی ذات میں اہمیت رکھتی ہیں جو خدا کے نام پر دنیا سے حاصل کرتے ہیں اور جب خدا کی طرف بلانے والے آتے ہیں تو وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ خدا کی نعمت تو فی ذاتہٖ کوئی چیز نہیں ہے اس میں تو ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں خدا کا نام لے کر یا خدا نام لینے والوں میں ہمیں شمار کرنے کے نتیجہ میں دنیا ہمیں نعمتیں عطا کرتی ہے، ہماری سرداریوں کو قبول کرتی ہے، جتھے میں ہمارے پیچھے چلتی ہے، ان کی دولتیں ہماری راہ میں قربان کی جاتی ہیں لیکن یہ بلانے ولا ایک ایسی فرضی نعمت کی طرف بلا رہا ہے جس کے نتیجہ میں ہماری ٹھوس ظاہری دنیاوی نعمتیں ہمارے ہاتھوں سے نکل جائیں گی۔

پس یہ وجہ ہے جو نفرت کا سبب بن جاتی ہے۔ سارے مذاہب کی تاریخ کا یہی خلاصہ بنتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جب خدا کی طرف دنیا کو بلایا تو یہ تو نہیں فرمایا تھا کہ خدا تو صرف میرا ہے اور تمہارا نہیں ہے بلکہ یہ اعلان فرمایا تھا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۱﴾ (الکہف:۱۱۱)

کہ اے بنی نوع انسان! میں تم پر کسی ایسی فضیلت کا دعویٰ نہیں کر سکتا نہ کرتا ہوں جو تمہیں حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں بھی تو تمہاری طرح کا ایک بشر تھا جسے وحی نے نور بنا دیا ہے اور یہ وحی صرف میرے لئے مخصوص نہیں خدا کے ہر بندہ کے لئے کھلی ہے۔ فرمایا فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ یہ ایک کھلی دعوت ہے، ایک صلائے عام ہے، جو شخص بھی اس عظیم الشان مقام کو پسند کرے اور جو بھی اب مجھے دیکھ کر میری فضیلت کو پہچان کر اپنے رب کی طرف دوڑنا چاہے اور اس رب کو پانا چاہے جو میں نے حاصل کیا ہے اور اس کی لقا کی تمنا کرے فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا پھر وہ عمل صالح کرے تو خدا اسے مل جائے گا۔

دیکھئے یہاں معاً بعد پھر وہی عمل صالح والا مضمون داخل کر دیا گیا ہے۔ پہلے بھی تو یہی فرمایا تھا

مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا. آپؐ نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ سیدھا راستہ ہے، تم بھی عمل صالح کرو، میں نے بھی تو عمل صالح کے ذریعہ اپنے رب کو پایا تھا اور تم بھی خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ تمہیں بھی خدا اسی طرح مل جائے گا جس طرح مجھے ملا تھا۔ اب اس اعلان میں کون سی غصہ کی وجہ تھی اور کون سی نفرت کی وجہ تھی لیکن سارا عرب آپؐ کی جان کے، آپؐ کی عزت کے، آپؐ کے اموال کے، آپؐ کے اعزہ اور اقربا کے درپے آزار ہو گیا اس لئے کہ کچھ ان کے فرضی خدا تھے۔ ان کو خداؤں میں دلچسپی نہیں تھی ان کو دلچسپی ان دنیاوی نعمتوں میں تھی جن کو وہ خدا کے نام پر دنیا سے بٹورا کرتے تھے، ان کو دلچسپی ان جتھوں میں تھی جو خدا کے نام پر ان کے گرد اکٹھے ہوئے تھے۔ پس اگر حقیقی خدا ظاہر ہو جاتا اور دنیا اس خدا کی طرف مائل ہو جاتی تو دنیا کی وہ نعمتیں ان کے ہاتھ سے نکل جاتیں جو خدا کے نام پر انہوں نے اکٹھی کی تھیں یا اکٹھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ دنیا میں خدا کے نام پر جب بھی بلانے والوں کی مخالفت ہوئی ہے ہمیشہ اسی وجہ سے ہوئی ہے۔ دراصل بنیادی طور پر وہ قومیں دہریہ ہو چکی ہوتی ہیں، وہ قومیں مشرک ہو چکی ہوتی ہیں اور جب یہ اعلان ہوتا ہے کہ ان سب مصنوعی خداؤں اور ان کی طرف منسوب ہونے والی نعمتوں کو چھوڑ کر حقیقی خدا کی طرف آجاؤ تو انہیں اپنے ہاتھ سے کچھ چھوڑنا پڑتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو انبیاء کے گرد اکٹھے ہونے لگ جاتے ہیں اور خدا کو پا کر ہر قربانی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن وہ جن کے دل کی گہرائیوں میں دہریت ہو جن کو حقیقی خدا پر ایمان نہ ہو وہ پھر لازماً مخالفت کرتے ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کھو تو دیں گے لیکن پائیں گے کچھ نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اسی قرآنی تعلیم کے مطابق دنیا کو خدا کی طرف بلایا۔

رب کی طرف بلانے میں ایک اور بھی حکمت پیش نظر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی دولت ہے جس کو پانے کے بعد انسان تنہا اس سے لذت یاب ہو ہی نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں دو قسم کی نعمتیں ہیں۔ ایک وہ جن کے ختم ہونے کا خوف انسان کو لاحق ہو اور دوسری وہ جو نہ ختم ہونے والی نعمت ہو۔ جن نعمتوں کے ختم ہونے کا خطرہ ہو ان کے اردگرد باڑیں بن جایا کرتی ہیں، ان کے گرد فصیلیں کھڑی ہو جایا کرتی ہیں، ان کے اردگرد قانون حائل ہو جاتے ہیں اور انسان چاہتا ہے کہ یہ میرے اور میرے عزیزوں کے لئے محفوظ رہیں اور تھوڑی بہت اپنی مرضی سے کبھی وہ اس دولت کو چھوڑ

بھی دیتا ہے لیکن بالعموم اس میں شراکت کو پسند نہیں کرتا لیکن اگر ایسی دولت ہو جس سے دنیا بھی فیضیاب ہو سکے اور اس کی لذتوں میں کبھی کوئی کمی نہ آسکے تو یہ فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں اس دولت کی طرف بلایا جاتا ہے اور مزہ پورا نہیں آتا جب تک اور شریک نہ ہو جائیں۔ آپ قانون قدرت کا کوئی حسین منظر دیکھ رہے ہوں ساری دنیا بھی اس کو دیکھے تب بھی آپ کی لذت میں کمی نہیں آسکتی۔ اسی طرح آپ اس منظر کے مالک رہیں گے جس طرح باقی دنیا مالک بنتی ہیں۔ چنانچہ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دکھانے کا مزہ آتا ہے۔ بعض دفعہ موٹر پر سفر کرتے ہوئے کوئی پیاری سی جگہ نظر آئے کسی بچے نے دیکھی ہو تو وہ ضد کرتا ہے کہ چلو بے شک واپس چلو لیکن وہ جگہ میں نے تمہیں ضرور دکھانی ہے۔ کیوں دکھانی ہے اس لئے کہ نعمت کو ایک دوسرے کے ساتھ مشترکہ طور پر حاصل کرنے میں ایک لذت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا Posession یعنی ملکیت ختم نہ ہو جائے، اس کی اپنی ملکیت کے حقوق میں کوئی فرق نہ آجائے۔ اس شرط کے ساتھ آپ ہمیشہ دنیا میں دوسروں کی نعمتوں میں شریک کرنے کی تمنا کرتے ہیں بلکہ مزہ ہی نہیں آتا جب تک دوسرا شریک نہ ہو جائے۔ جب عید کا چاند نظر آتا ہے تو دیکھنے والا کس طرح بے قرار ہو جاتا ہے کہ باقی بھی دیکھیں۔ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر دکھاتا ہے، ہاتھ اٹھا اٹھا کر انگلیاں سیدھی کرتا ہے کہ وہ دیکھو وہ عید کا چاند ہے اور اگر کوئی اور نہ دیکھے تو اس کو پورا مزہ ہی نہیں آتا۔ اگر پیاسوں کا ایک قافلہ جا رہا ہو اور ایک آدمی کو اچانک پانی میسر آجائے مثلاً میٹھے پانی کی ایک جھیل مل جائے جسے سارا قافلہ عمر بھر بھی پیتا رہے تو اس کو ختم نہ کر سکے، وہ تو بے قرار ہو کر ان کو بلائے گا، کہے گا آؤ میٹھا پانی مل گیا ہے اور اکیلے آپ کو پانی پینے کا مزہ نہ آئے گا جب تک کہ دوسرے بھی اس میں شریک نہ ہو جائیں۔

پس اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ میں اور مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ میں اس حکمت کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ اللہ کو پانے والے ایک ایسے خزانہ کو پا لیتے ہیں جو نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔ ایک ایسی نعمت ہے جس پر کوئی زوال نہیں آسکتا اور پھر تنہا اس سے لذت یاب ہونے کو ان کا دل نہیں چاہتا۔ وہ بے قرار ہو جاتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوں اور اس سے ہم زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہوں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی حقیقت کے پیش نظر اور اسی بنیادی انسانی فطرت کے تقاضے سے اپنے رب کی طرف ان الفاظ میں بلایا:

”ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے، ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں، کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۱، ۲۲)

یہ فطرت کی ایک سچی آواز ہے۔ ناممکن ہے کہ کسی نہ پانے والے کے دل سے یہ کلمات نکلیں۔ اتنی بے اختیار سچائی ہے، اس میں ایسا وفور شوق ہے، ایسا بے اختیار جذبہ ہے کہ ہر وہ شخص جو انسانی فطرت پر ادنیٰ سی بھی نظر رکھتا ہے وہ صرف اس کلام کو پڑھنے کے نتیجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا قائل ہو سکتا ہے اور اس خدا کی طرف دوڑنے کے لئے بے چین ہو جائے گا جس کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ ایک ایک لفظ سچائی میں ڈوبا ہوا ہے اور یہ طبعی نتیجہ ہے خدا کو پانے کا۔

دوسرے اگر خدا کی طرف بلانا ہے تو اس طبعی جذبہ سے مجبور ہو کر بلاؤ کہ گویا تم نے اسے پالیا ہے اور خدا کو پانے کے بعد خدا کی طرف جو بلانا ہے اس سے آواز میں ایک اور ہی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ فرضی خدا کی طرف بلانے والی آواز اور ہوتی ہے اور خدا کو پالینے کے بعد جو بلانے والی آواز ہوتی ہے وہ اور ہوتی ہے۔ اس کی بے قراری اور ہو جاتی ہے، اس کی شدت اور ہو جاتی ہے۔ وہ آواز بن جاتی ہے جو ابھی آپ نے سنی ہے یعنی ہمارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز جو سچائی سے معمور اور حقیقت کی مظہر ہے۔

پس اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو پائے بغیر اس کی طرف کسی کو نہیں بلانا چاہئے ورنہ تمہاری آواز جھوٹی اور کھوکھلی ہو جائے گی۔ اس میں طاقت نہیں رہے گی۔ پانے والے اور نہ پانے والے کی آواز میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک آواز کہتی ہے شیر آیا شیر آیا دوڑنا، اور کوئی اس کی طرف توجہ نہیں کرتا

اور ایک بے اختیار چیخ نکلتی ہے شیر! اور ابھی فقرہ پورا بھی نہیں ہو پاتا کہ دنیا اچانک اس کی طرف توجہ کرنے لگ جاتی ہے۔ ایک آواز کہتی ہے کہ یہاں بے حد دولتیں ہیں اور کوئی اس کی طرف کان ہی نہیں دھرتا۔ ایک آواز بے اختیار دنیا کو کہتی ہے کہ یہاں میں نے سب پالیا ہے، مجھے فلاں چیز حاصل ہوگئی ہے اور فلاں چیز حاصل ہوگئی ہے تو اچانک دنیا اس کی طرف دوڑنے لگتی ہے۔ ظاہری فقروں اور الفاظ کی بناوٹ کے لحاظ سے آپ کو کوئی فرق نظر نہیں آئے گا لیکن وہ کیا چیز ہے جو ان آوازوں میں فرق ظاہر کرتی ہے وہ نفس کی سچائی ہے یا نفس کی سچائی کا فقدان ہے۔ پس اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ میں اور مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اپنے رب کو پانے کے بعد لوگوں کو دعوت الی اللہ دو۔ فرضی خدا کی طرف نہ بلانا ورنہ کوئی بھی تمہاری آواز پر کان نہیں دھرے گا۔ ایک اور جگہ اس مضمون کو اس طرح کھولا گیا کہ اگر تم فرضی خدا کی طرف بلاؤ گے تو اس نام پر جب تکلیفیں تمہیں دی جائیں گی تو تم برداشت نہیں کرسکو گے اور پھر تم پانے والوں میں نہیں رہو گے بلکہ کھونے والوں میں داخل ہوکر اس شعر کے مصداق بن جاؤ گے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

لیکن اگر تم نے خدا کو حقیقتاً پالیا ہے تو اس کے بعد اس ہستی سے کوئی تمہیں جدا نہیں کرسکتا۔ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ٭ لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرۃ:۲۵۷) پھر دنیا کے سارے جبر اور ساری دنیا کے اکراہ بھی تمہیں اپنے خدا سے محروم نہیں کرسکیں گے اور تمہیں اس بات سے باز نہیں رکھ سکیں گے کہ تم اپنے خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ ایک اور جگہ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (حٰم السجدۃ:۳۱) کہ وہ لوگ جو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پھر مصائب پر استقامت اختیار کرتے ہیں۔ وہی ہیں جو اپنے دعویٰ میں سچے ہیں انہیں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ بلانے سے پہلے پانا ضروری ہے ورنہ بلانے کے نتیجہ میں جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں ان کو انسان برداشت نہیں کرسکتا اور پھر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے آواز میں نہ طاقت پیدا ہوتی ہے نہ شوکت پیدا ہوتی ہے اور نہ قوت قدسیہ آتی ہے۔ دلوں کو تبدیل نہیں کرسکتا ایسا انسان جس نے خدا کو پانے کے بغیر کسی کو اس کی طرف بلایا ہو۔

پس جس نے بھی داعی الی اللہ بننا ہے اس کے لئے تو یہ لازم ہو جائے گا کہ پہلے وہ رب کو پائے اس سے ذاتی تعلق قائم کرے نہ کہ صرف جماعتی تعلق۔ ان دو چیزوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جن کے متعلق پنجابی میں کہتے ہیں کہ ''جنجے چڑھ گئے ہیں'' ان کی باراتیں جاتی ہیں اور شادیاں ہو جاتی ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جنہوں نے صرف جنجے چڑھتے دیکھنا ہوتا ہے کہ ہاں کسی اور کی بارات جارہی تھی تو ہم نے بھی دیکھ لیا۔ اب ان دونوں میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قرآنی تعلیم یہ ہے کہ تم جنجے چڑھو اور پھر بلاؤ لوگوں کو اس نعمت کی طرف۔ یہ نہ کہو کہ ہم نے بھی دیکھا ہوا ہے۔ ان کی آواز تو اسی طرح ہوتی ہے جیسے گیدڑوں کی آواز جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ رات کو جب چیختے ہیں اور شور مچاتے ہیں تو واقعہ یہ ہوتا ہے کہ ایک گیدڑ بڑے زور سے اور بڑی تعلّی سے آواز بلند کرتا ہے کہ پدرم سلطان بود، میرا باپ بادشاہ تھا۔ تو سارے گیدڑ آگے سے جواب دیتے ہیں کہ تراچہ، تراچہ، تراچہ (یہ آواز اسی قسم کی آتی ہے جب گیدڑ بولتے ہیں) کہ ہاں ہوگا بادشاہ پر تجھے کیا، تجھے کیا، تجھے کیا تو تو بادشاہ نہیں۔ پس خدا کی طرف بلانے والے ایسے لوگوں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوگا اگر انہوں نے خدا کو پایا نہ ہو اور صرف یہ کہتے ہوں کہ فلاں پر خدا نازل ہوا تھا اور فلاں سے خدا نے کلام کیا تھا، فلاں نے خدا کو پالیا تھا اور فلاں نے خدا کو پالیا تھا۔ ایسے لوگوں کو تو پھر دنیا یہی کہے گی کہ تراچہ، تراچہ، تراچہ یعنی تجھے کیا، تجھے کیا، تجھے کیا۔ جب تو نے خدا کو نہیں پایا تو ہمیں کس طرح خدا سے ملا دے گا۔ جس نعمت کو تو خود نہیں پا سکا، تو ہمیں بلاتا ہے کہ ہمیں وہ نعمت دلوا دے گا یہ کتنی کھوکھلی اور بے معنی اور بے حقیقت آواز بن جاتی ہے لیکن کامیاب مبلغ کے لئے اس میں بے شمار حکمتوں کے پیغام ہیں۔ اس بات میں حکمتوں کا خزانہ مخفی ہے کہ اللہ کی طرف بلاؤ اور اسے پانے کے بعد بلاؤ۔ اس کا ثبوت کیا دیا فرمایا وَعَمِلَ صَالِحًا عجیب کلام ہے۔ کتنے تھوڑے لفظوں میں کیسی حیرت انگیز باتیں بیان فرما دیتا ہے۔ میں نے جو یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ یہ کہنا چاہتا ہے کہ خدا کی طرف بلاؤ اور اسے پانے کے بعد بلاؤ بغیر اسے حاصل کئے نہیں بلانا۔ اس کا ثبوت کیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے جو اگلا کلمہ بتا رہا ہے کہ حاصل شدہ نتیجہ کو پیش کرو۔ اور وہ کیا ہے وہ وَعَمِلَ صَالِحًا ہے۔ اگر خدا کو تم نے پایا ہے تو اس کا حسن تم میں بھی تو پیدا ہونا چاہئے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کو پالیا ہو اور اسی طرح بدصورت اور بدزیب، بے حقیقت اور کریہہ المنظر انسان بنے رہو۔ اللہ تعالیٰ تو ایک عظیم الشان طاقت اور ایک

حسین زندگی کا سرچشمہ ہے اس کو حاصل کرنے کے بعد زندگی کی علامتیں بھی تو ظاہر ہونی چاہئیں۔ آپ پیاسے لوگوں کو بلا رہے ہوں کہ ادھر آؤ پانی ہے اور زبان سوکھی ہوئی ہو، ہونٹ خشک ہوں اور گلے سے آواز نہ نکلتی ہو تو کوئی کہے گا کہ میاں تمہارے پاس پانی ہے تو تم خود ایک گھونٹ پانی کا کیوں نہیں پی لیتے۔

پس اگر لوگ خدا کی طرف بلائیں اور ان کے عمل صالح نہ ہوں تو دنیا یہ کہے گی کہ خدا کی طرف بلا رہے ہو۔ کیا تم اس خدا کی طرف بلا رہے ہو جس کے ماننے کے باوجود تمہارے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ تم اسی طرح ظالم ہو، اسی طرح سفاک ہو، اسی طرح لوگوں کے حق مارتے ہو، اسی طرح جھگڑوں میں مبتلا ہو جس طرح دنیا جھگڑوں میں مبتلا ہے۔ عورتیں مردوں کے حقوق ادا نہیں کر رہیں۔ مرد عورتوں کے حقوق ادا نہیں کر رہے۔ بنی نوع انسان سے کوئی سچی ہمدردی نہیں ہے۔ کوئی بیمار ہو تو دل میں دکھ محسوس نہیں ہوتا۔ کوئی مصیبت میں مبتلا ہو تو اسے دور کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی اور پھر کہتے ہو کہ آؤ ہم تمہیں خدا کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر خدا کی طرف بلانے والوں کا یہ حال ہے تو پھر نہ بلانے والوں سے فرق کیا ہے۔ ہم کیوں اپنی جگہ چھوڑ کر تمہارے ہاں آنے کی تکلیف کریں۔

غرض یہ اس بات کا طبعی نتیجہ ہے کہ اگر عمل صالح کی شرط پر عمل نہ ہو رہا ہو تو دعوت الی اللہ کامیاب ثابت نہیں ہوتی۔ عمل صالح یا اعمال صالحہ کا پیدا ہونا خدا کو حاصل کرنے کا نتیجہ ہے نہ کہ خدا کی طرف بلانے کا نتیجہ۔ یہ بات میں آپ پر کھولنا چاہتا ہوں کیونکہ خدا کی طرف بلانے والے تو لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں ہوں گے جن کے اعمال گندے ہیں، جن کا کردار گواہی دیتا ہے کہ انہوں نے اس ذات سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا جس کی طرف بلا رہے ہیں تو عمل صالح کی شرط سے وہ کیوں محروم ہیں اس لئے کہ وہ ایک خیالی خدا کی طرف بلا رہے ہیں، انہوں نے پایا کچھ نہیں۔ اگر پا لیا ہوتا تو خدا ان کی ذات میں ظاہر ہو جاتا، ان کی ذات میں نظر آنے لگتا۔ خدا کو پانے والوں کا تو یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ یہ اعلان کرتے ہیں:

ع سر سے لے کر پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۳۳)

یہ شوکت اور قوت خدا کو حاصل کئے بغیر پیدا نہیں ہوتی اس لئے داعی الی اللہ کے لئے دلیلیں

سیکھنا بہت بعد کی بات ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہے کہ جی ہم انتظار کرتے ہیں کہ پہلے تبلیغی پاکٹ بک چھپ جائے، پہلے فلاں دلیل ہمیں مل جائے، علم سیکھ لیں پھر خدا کی طرف بلائیں گے۔ تو ان بے چاروں کو علم نہیں کہ قرآن کریم نے تو اس بات سے ان کو شروع ہی میں آزاد کر دیا ہے فرمایا ہے کہ اپنے رب کو پالو اور اس کو پانے کے آثار اپنے اندر ظاہر کر دو پھر تم گویا پوری طرح مسلح ہو چکے ہو ان تمام ہتھیاروں سے جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ضروری ہیں۔ زادِ راہ تو تمہیں مل گیا ہاں اس راہ میں آگے چل کر جو ضرورتیں ہوں گی وہ خدا تعالیٰ خود پوری کرتا چلا جائے گا اور یہ امر واقعہ ہے کہ خدا کی راہ میں تقویٰ سے لیس ہو کر عمل صالح سے مزین ہونے کے بعد جن لوگوں نے جہاد شروع کیا وہ علم میں کبھی پیچھے نہیں رہے بلکہ خدا خود ان کو علم عطا فرماتا ہے اور علم صرف ظاہری طور پر کتابیں پڑھنے سے نہیں آتا۔ اصل علم وہ ہے جو خدا عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ جو دعوت الی اللہ دینے والوں میں سب سے ارفع و اعلیٰ مقام رکھتے تھے ظاہری طور پر ان پڑھ تھے۔ اگر تبلیغی جہاد کے لئے ظاہری علم اتنا ہی ضروری تھا تو پھر تو حضور اکرم ﷺ کو دعوت الی اللہ کا کام شروع کرنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ پھر تو آپؐ پہلے تمام دنیا میں پھرتے اور اس وقت جو یونیورسٹیاں موجود تھیں ان میں تعلیم پاتے اور پھر اس مقام پر کھڑے ہوتے کہ اب میں تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ ہمارے آقا سید ولدِ آدمؑ کو کیوں ظاہری علم سے آراستہ نہیں کیا گیا؟ اس میں ایک بہت بڑی حکمت تھی اور وہ یہ کہ پھر کبھی قیامت تک کوئی انسان یہ نہ کہہ سکے کہ میں کس طرح داعی الی اللہ بن جاؤں مجھے تو ظاہری تعلیم حاصل نہیں۔ فرمایا جو سب دنیا کو علم سکھانے والا بنا اس نے دعوت الی اللہ کے سفر کا آغاز بغیر ظاہری تعلیم کے کیا تھا۔ صرف ایک صفت اس میں تھی کہ وہ اپنے رب سے پیار کرتا تھا اور اس کا رب اس سے پیار کرتا تھا۔ اس کے نتیجہ میں سارے علوم کے چشمے اس پر کھولے گئے حالانکہ ظاہری علم کے زیور سے وہ آراستہ نہیں تھا۔

پس ایک یہ تعلیم بھی ہمیں اس میں مل گئی کہ یہ انتظار نہ کرو کہ تمہیں دنیاوی طور پر وہ علوم حاصل ہو جائیں جو دنیا کی نظر میں علوم کہلاتے ہیں بلکہ اگر کورے چٹے ان پڑھ بھی ہو اور خدا سے محبت رکھتے ہو اور خدا کو پالیتے ہو اور محسوس کرتے ہو کہ ایک رفیق مجھے مل چکا ہے جو ہمیشہ کا رفیق ہے جو سب رفیقوں سے بڑھ کر ہے تو پھر تم اس لائق ہو کہ دنیا کو اس خدا کی طرف بلاؤ اس سے زیادہ تمہیں کوئی

ضرورت ہے۔ اگر ہے تو خدا خود وہ ضرورت پوری کر دے گا۔

غرض ان معنوں میں آپ کو داعی الی اللہ بننا ہے اس لئے پہلے کتابوں کی طرف توجہ نہ کریں، پہلے اپنے رب کریم کی طرف توجہ کریں اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے تمام توجہ مبذول کریں۔ یقیناً ہر وہ احمدی جو اپنے دل میں مطمئن ہوتا چلا جا رہا ہے کہ میں ہر روز اپنے رب کی طرف سفر کر رہا ہوں اور میرا رب مجھ سے زیادہ تیزی کے ساتھ میری طرف بڑھ رہا ہے وہ اس راستہ پر گامزن ہو چکا ہے جو کامیابی اور فلاح کا راستہ ہے وہ اس راستہ پر گامزن ہو چکا ہے جہاں نہ تو کوئی غم ہوگا اور نہ کوئی خوف ہوگا یہی وہ کامیاب داعی الی اللہ ہے جس کی آواز میں شوکت عطا کی جائے گی جس کی آواز میں طاقت عطا کی جائے گی اور اسے قوت قدسیہ نصیب ہوگی اور وہ دیکھے گا کہ دنیا حیرت انگیز طور پر اس کی بات کو سنتی اور اس کی دعوت سے متاثر ہوتی ہے۔ ورنہ لاکھوں بلکہ کروڑوں عالم ایسے گزرے ہیں جو عمر بھر ایک فرضی خدا کی طرف بلاتے رہے لیکن کسی نے ان کی آواز پر کان نہیں دھرا۔ نہ ان کی اپنی زندگی سدھر سکی اور نہ وہ دوسروں کی زندگی کو سدھار سکے۔

اب آخر پر میں ایک ایسے داعی الی اللہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو تین روز قبل ہم سے جدا ہو گیا یعنی حضرت مولوی محمد دین صاحبؓ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۷ء میں پہلی مرتبہ وقف زندگی کی تحریک فرمائی۔ یعنی لوگوں کو اس طرف بلایا کہ اپنا سب کچھ خدا کے حضور پیش کر دیں اور دین کی نصرت کے لئے حاضر ہو جائیں۔ چنانچہ وہ تیرہ خوش نصیب جنہوں نے اس پہلی آواز پر لبیک کہا تھا ان میں حضرت مولوی محمد دین صاحبؓ بھی تھے۔ انہوں نے بڑی وفا کے ساتھ اس عہد کو نبھایا۔

۱۹۲۳ء میں آپ کو دعوت الی اللہ کے لئے امریکہ بھجوایا گیا جہاں آپ ۱۹۲۵ء تک بڑی کامیابی کے ساتھ تبلیغی فرائض سرانجام دیتے اور دعوت الی اللہ کا حق ادا کرتے رہے۔ لیکن ان دو تین سالوں کا کیا ذکر آپ تمام عمر ایک نہایت ہی پاک نفس، درویش صفت انسان کے طور پر زندہ رہے۔ کوئی انانیت نہیں تھی، کوئی تکبر نہیں تھا۔ ایسا بچھا ہوا وجود تھا جو خدا کی راہوں میں بچھ کر چلتا ہے۔ ذکر الٰہی سے ہمیشہ آپ کی زبان تر رہتی تھی۔ آخری سانس تک آپ داعی الی اللہ بنے رہے۔ بظاہر بستر پر پڑا ہوا ایک ایسا وجود تھا جو دنیا کی نگاہ میں ناکارہ ہو چکا تھا مگر جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا جب میں سپین سے واپس آیا اور حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا، پہلی

بات انہوں نے مجھے یہی کہی کہ میں سپین کے مشن کی کامیابی کے لئے اور آپ کے دورہ کی کامیابی کے لئے مسلسل دعائیں کرتا رہا ہوں۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ کی دعائیں مجھے پہنچتی رہی ہیں اور میں ان کو خدا تعالیٰ کی رحمت اور فضلوں کی صورت میں آسمان سے برستا ہوا دیکھا کرتا تھا اور کون جانتا ہے کہ کتنا بڑا حصہ حضرت مولوی صاحب کا تھا اس کامیابی میں جو اس سفر کو نصیب ہوئی۔

پس داعی الی اللہ تو وہ ہوتا ہے کہ جب ایک دفعہ عہد کرتا ہے تو پھر عمر بھر اس عہد کو کامل وفا کے ساتھ نبھاتا بھی ہے اور آخری سانس تک داعی الی اللہ بنا رہتا ہے۔ پس ہمیں اس قسم کے داعی الی اللہ کی ضرورت ہے۔ ایک محمد دین اگر آج ہم سے جدا ہوتا ہے تو خدا کرے کہ لاکھوں کروڑوں محمد دین پیدا ہوں کیونکہ آج دنیا کو ایک یا دو یا سو یا ہزار محمد دین سے کامیابی نصیب نہیں ہوسکتی۔ دنیا کے تقاضے بہت وسیع ہیں اور دنیا کی بیماریاں بہت گہری ہو چکی ہیں اس لئے خدا کی طرف بلانے والے اور خدا کے نام پر شفا بخشنے والے لاکھوں اور کروڑوں کی ضرورت ہے۔

خدا کرے کہ ہر احمدی مرد اور ہر احمدی عورت، ہر احمدی بچہ اور ہر احمدی بوڑھا اس قسم کا ایک پاکباز اور پاک نفس داعی الی اللہ بن جائے جس کی باتوں میں قوت قدسیہ ہو، جس کی آواز میں خدا تعالیٰ کی طرف سے صداقت اور حق کی شوکت عطا کی جائے۔ جس کی بات کا انکار کرنا دنیا کے بس میں نہ رہے۔ اس کے دم میں خدا شفا رکھے اور وہ روحانی بیماریوں کی شفا کا موجب بنے۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۵؍ جون ۱۹۸۳ء)